اسلامی فرقے

از: پروفیسر سید جعفر رضا

قسط دوم

امامیہ مسلک میں اصول دین اور فروغ دین کے معاملات ومباحث میں باہمی طور پر کسی طرح کا اختلاف نہیں ہے۔ تمام مذاہب امامیہ فقہ جعفری کے پابند ہیں۔ البتہ مجتہد کے حقوق واختیارات کے معاملہ میں اختلاف ہے۔ اس کے نتیجہ میں دو ضمنی مسالک وجود میں آگئے۔ اصولی اور اخباری! ان کے درمیان اختلاف کی نوعیتیں حسب ذیل ہیں:

(الف) عقیدہ وشریعت کے مآخذ کے بارے میں:

(۱) اصولی چار مآخذ کے قائل ہیں۔ قرآن سنن، اجماع اور عقل جبکہ اخباری محض دو مآخذ قرآن وسنن کو مانتے ہیں۔

(۲) اصولی قرآن کے لفظی معانی ومفاہیم اور احادیث کے تعین میں عقل کو دخل دیتے ہیں جبکہ اخباری قرآن واحادیث کی تفہیم میں امام کی تفسیر کی شرط عاید کرتے ہیں۔

(۳) اصولی حدیث کے چار مآخذ۔ الکافی، کتاب فقیہ من لا یحضرہ الفقیہ تہذیب اور استبصار۔ کی بعض احادیث کو وضعی قرار دیتے ہیں، جبکہ اخباری چاروں مآخذ کی تمام احادیث پر عقیدہ رکھتے ہیں۔

(۴) اصولی محض ان احادیث کو معتبر قرار دیتے ہیں جنہیں ائمہ نے بیان کیا اور ثقہ شیعوں کے ذریعہ ہم تک پہنچیں۔ جبکہ اخباری سنی روایات بھی قبول کرنے میں مضائقہ نہیں کرتے۔

(۵) اصولی احادیث کو چار زمروں میں تقسیم کرتے ہیں: صحیح، حق، موثق اور ضعیف۔ جبکہ اخباری محض دو زمروں میں رکھتے ہیں: صحیح اور ضعیف۔

(ب) اصولِ شریعت کے بارے میں:

(۱) اصولی اجتہاد کے قائل ہیں جبکہ اخباری انکار کرتے ہیں۔

(۲) اصولی ظن کی بنیاد پر ان فیصلوں کو درست قرار دیتے ہیں جن کے متعلق قرآن و احادیث سے واضح نص دستیاب نہیں ہو مگر اخباریوں کو محض وہی فیصلے قابل قبول ہیں جن کے متعلق ائمہ سے احادیث ملتی ہوں۔

(۳) اصولیوں کے نزدیک غیبت امام میں مجتہدین کے فیصلوں کو قبول کرنا چاہیے، جبکہ اخباری اسے قبول نہیں کرتے۔

(ج) فقیہ کی حیثیت کے بارے میں:

(۱) اصولی انھیں دو زمروں مجتہد و مقلد میں تقسیم کرتے ہیں۔ اخباری محض مقلدوں کی جماعت قبول کرتے ہیں۔

(۲) اصولی مجتہد کو مجاز مانتے ہیں کہ وہ اصل فقہ کے مختلف پہلوؤں پر شرعی حدود میں فتاویٰ جاری کرسکتا ہے لیکن اخباریوں کے نزدیک یہ محض امام کا دائرہ عمل ہے۔

(۳) اصولی کسی مرحوم فقیہ کے فتاویٰ کی پیروی لازمی نہیں جانتے بلکہ مرجع وقت کی جانب رجوع کرنے پر زور دیتے ہیں لیکن اخباریوں کے نزدیک مرحوم مرجع بھی اسی طرح اہم ہے جس طرح زندہ مرجع۔

اصولی اور اخباریوں کے علاوہ شیخی دبستان بھی ہے، جو اصولیوں سے بعض معاملات میں اختلاف کرتے ہیں لیکن بعد کے ادوار میں شیخی دبستان سمٹ گیا۔ اخباری بھی بہت کم ہیں، اصلاً امامیہ کے معنی عصر حاضر میں اصولیوں کے مترادف ہیں۔ اہل تشیع عموماً اور امامیہ خصوصاً مختلف مسلم حکومتوں کے ادوار میں ظلم وستم کے شکار رہے اور اس بنا پر امامیہ فرقے کے افراد زیادہ تر تقیہ میں زندگی گزارتے رہے تھے، نتیجتاً انکی اولاد اپنے آبائی مسلک سے بے نیاز ہوگئی اور امتداد زمانہ سے ان کی تعداد کم سے کم ہوتی گئی۔ پھر بھی عصر حاضر میں امامیہ عقائد کے اہل

تشیع کی مجموعی تعداد بیس کروڑ سے زیادہ بیان کی جاتی ہے، جو دنیا کے ان تمام خطوں میں آباد ہیں، جہاں اہل تسنن آباد ہیں۔ خاص طور پر امامیہ مسلک کے لوگوں کی آبادی ایران، عراق، ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، دمشق، لبنان، بیروت بحرین، سعودی عرب، افغانستان وسط ایشیا، یورپ، امریکہ، مشرقی افریقہ وغیرہ میں ہے۔ زیادہ تر اقلیت میں ہیں لیکن بعض ممالک یا علاقوں میں اکثریت میں بھی ہیں۔

سابعون یا اسماعیلیہ:

اس مسلک میں عدد 'سابع' کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اسماعیلیہ عقیدہ میں حجت خدا کا محصور عدد سابع ہے۔ اسی بنا پر سابعون کہے جاتے ہیں ۱؎ اسماعیلیہ کہلانے کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ امام جعفر صادقؒ (م:۷۶۵ء) کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے اسمٰعیل کو امام مانتے ہیں۔ ان کے عقیدہ میں حجت خدا کی دو قسمیں ہیں۔ حجت ناطق اور حجت صامت۔ امامیہ کی طرح اسماعیلیوں کا بھی عقیدہ ہے کہ زمین حجت خدا سے خالی نہیں ہوسکتی۔ ہر زمانہ میں کسی نہ کسی امام کا موجود ہونا لازمی ہے۔ ۲؎ نص امامت کے اصول میں دونوں ضمنی مسالک میں کوئی اختلاف نہیں، دونوں امامت کو منصوص من اللہ قرار دیتے ہیں۔ حجت خدا کے سات مظاہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں سات بہترین نفوس کو امام مقرر کیا، علیؓ، حسنؓ، حسینؓ، علیؓ ابن الحسینؓ، محمد باقرؒ، جعفر صادقؒ اور اسماعیل بن جعفر صادق ہیں۔ اسماعیل ہی امام زمانہ بھی ہیں۔ سات ناطق: آدمؑ نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ، محمدؐ اور اسماعیلؑ ہیں۔ سات صامت: شیثؑ، سامؑ، اسماعیلؑ، ہارونؑ، شمعونؑ، علی اور محمد بن اسماعیلؑ ہیں۔ عدد سات کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ سات جنت، سات طبق زمین، سات طبق آسمان، سات سمندر، سات سیارے، سات رنگ، سات موسیقی کی آوازیں، سات معدنیات وغیرہ ۳؎

امامیہ اور اسماعیلیہ کے درمیان سلسلہ امامت میں پہلے امام حضرت علیؓ سے چھٹے امام جعفر صادقؒ تک کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ ساتویں امام سے دونوں مسالک جدا ہوجاتے

ہیں۔ اسماعیلیہ حضرت اسماعیل کو ساتواں امام مانتے ہیں جبکہ امامیہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کو امام مانتے ہیں۔اسماعیلیوں کی ایک جماعت واقفیہ (Stopper) کا عقیدہ ہے کہ سلسلہ امامت امام اسماعیل پر ختم ہوگیا کیونکہ وہی امام سابعون ہیں۔ ان کی وفات نہیں ہوئی بلکہ عالم غیب میں ہیں اور قرب قیامت میں ظہور کریں گے لیکن اسماعیلیوں کی دوسری جماعت حضرت اسماعیل کی وفات کے قائل ہے۔جنہوں نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹے محمد بن القاسم بن اسماعیل پر نص امامت کی ہے چونکہ نص امامت خفیہ ہوا تھی، ان کا لقب امام محمد المکتوم ہوا۔ وہی سلسلہ امامت کے آخری محمد ہیں، جو بعضوں کے نزدیک، قرب قیامت میں ظہور کریں گے۔ ھے

مسلک امامیہ ودیگر مسالک اسلام کے نزدیک امام جعفر صادقؑ کے بعد ان کے تیسرے فرزند امام موسیٰ کاظمؑ امام ہوئے۔حضرت اسماعیل بن امام جعفر صادقؑ کو امام نہ ماننے کے مختلف اسباب ہیں، جن کی تفصیل میں جانے کا محل نہیں۔ اسماعیلیہ حضرت علیؑ کو اساس الامت یعنی امام سے بڑھ کر مانتے ہیں۔ اور رسول اسلامؐ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ دونوں امام ہیں اور ان کے باپ ان سے بہتر ہیں۔ اس طرح ان میں امامت کا سلسلہ امام حسنؑ سے شروع ہوتا ہے۔ ان کے بعد امام حسینؑ، پھر امام زین العابدینؑ، پھر امام محمد باقرؑ، پھر امام جعفر صادقؑ پھر امام اسماعیل پھر امام محمد بن اسماعیل، آخر الذکر کے پیروؤں کو ابتدا مبارکیہ بھی کہا گیا، جو مبارک نامی غلام سے منسوب ہوا جس نے سب سے پہلے محمد بن اسماعیل کی امام کی حیثیت سے شناخت کی تھی۔ لے

امام محمد بن اسماعیل۔(م: ۱۸۲ھ/ ۷۹۸ء) امام المکتوم کہے جاتے ہیں کیونکہ انہیں سے دور ستر شروع ہوتا ہے کیونکہ اسماعیلی عقاید کی تبلیغ واشاعت پوشیدہ طور پر ہوتی تھی۔ امام محمد المکتوم نے عقائد کی تبلیغ مدینہ سے کی لیکن عباسی خلفاء کی داروگیر شروع ہوئی تو مدینہ سے کوفہ، وہاں سے رے گئے، پھر قلعہ نہاوند میں پناہ لی، آخر میں فرغانہ آئے اور وہیں وفات پائی

اور مدفون ہوئے۔ بعد میں خلیفہ معز باللہ نے قبر کو مصر میں منتقل کر دیا۔ڈی جورے نے الجوینی اور صاحب دستور منجمین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام محمد کے کئی بیٹے پناہ کی تلاش میں ہندوستان کی سرحد کے قریب قندھار تک گئے تھے جو ہندوستان میں اسماعیلی عقائد کا باعث ہوئے۔ ۷؎ امام محمد المکتوم نے اپنے بیٹے امام عبد اللہ الرضی (م: ۲۱۲ھ/ ۸۲۵ء) پر نص امامت کی، عباسی خلفاء نے سادات کو قید خانوں میں محبوس کر رکھا تھا۔ ان کی بھی داروگیر شروع ہوئی۔گرفتاری سے بچتے ہوئے انہوں نے اپنے بھائی حسین بن محمد کو اپنا نائب مناب مقرر کیا اور فرغانہ سے دیلم ہجرت کر گئے۔تبلیغ واشاعت کا کام ان کے بھائیوں اور داعیوں نے جاری رکھا۔عباسی خلفاء کی داروگیری اتنی بڑھی کہ امام عبد اللہ الرضی مکمل طور پر روپوش ہو گئے حتیٰ کہ ان کے داعیوں سے رابطہ قائم نہ رہا۔ یہ عبوری دور اسماعیلیوں کے لئے انتہائی صبر آزما تھا۔ امام عبد اللہ الرضی نے ایک عاجز تاجرانہ لباس اختیار کر لیا اور سلامیہ میں پوشیدہ طور پر رہائش اختیار کی۔ وہیں ان کے دو بیٹے احمد اور ابراہیم ہوئے۔ امام عبد اللہ کی سلامیہ میں وفات ہوئی۔ ۸؎ انھوں نے اپنے بیٹے احمد بن عبد اللہ جو اپنے دور کے ممتاز علماء ودانشوروں میں تھے۔ انھوں نے بصرہ میں انجمن اخوان الصفاء قائم کی اور قضاوقدر وقرآن اور حدث وقدوم کے مسائل ومباحث پر رسائل ترتیب دیئے ، جو رسائل اخوان الصفاء کے نام سے معروف ہیں اور اسی بناپر ان کا لقب صاحب الرسائل بھی ہے۔ ۹؎ انھوں نے اپنے بیٹے حسین الزکی المتقدی والہادی (م: ۲۹۶ھ/ ۹۰۹ء) پر نص امامت کی۔ انھوں نے رسائل اخوان الصفاء کا خلاصہ جامعۃ الجماعہ ترتیب دیا۔ انہوں نے نجف اشرف جاکر روضہ حضرت علیؑ کی زیارت کی۔ وہیں ان کی ملاقات ابو القاسم حسن بن فرح بن حواب سے ہوئی جو مسلک امامیہ سے تعلق رکھتے تھے اور امام حسن عسکریؑ کے صحابیوں میں شمار ہوتے تھے۔ وہیں علی بن فضل سے بھی ملاقات ہوئی۔ دونوں نے امام حسین الزکی سے متاثر ہوکر ان کی بیعت کر لی۔ انھوں نے دونوں کو اسماعیلیہ عقائد کی ترویج واشاعت کے لئے یمن بھجوایا۔ یہ ۲۶۶ھ/ ۸۷۹ء کا واقعہ ہے۔ یمن میں

انھیں غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی۔ چار سال کی قلیل مدت میں انہوں نے ۲۷۰ھ/ ۸۸۳ میں اعلان دعوت کردیا۔ عدن الائمہ میں قلعہ تعمیر کیا اور اپنی فوج بنا کر یمن کے شہروں کو یکے بعد دیگرے فتح کرنا شروع کیا۔ ۲۹۳ھ/ ۹۰۵ تک پورا یمن فتح ہوگیا۔ ابو القاسم کو منصور الایمن کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔ دیگر کئی ممالک میں اسماعیلی داعی بھیجے گئے جن میں یمامہ، بحرین، سندھ ہند اور مغرب اہم ہیں۔ اسماعیلیہ عقائد کے فروغ واشاعت میں ایک انتہائی سرگرم اور ان تھک داعی ابو عبد اللہ بن محمد بن زکریا کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ جو الشیعی کے نام سے زیادہ معروف تھے۔ اعلان دعوت کے بعد دور ستر کا خاتمہ ہوگیا۔ اس طرح امام حسن الزکی، آخری امام المکتوم ہیں جن سے دور ستر کا خاتمہ ہوگیا۔ انہوں نے سلامیہ ہجرت کرکے عسکر مکرم (خوزستان) میں سکونت اختیار کی۔ وہیں ان کے بیٹے عبید اللہ کی ولادت ہوئی۔ ان کی دعوت کا خاص موضوع ظہور مہدی تھا۔ انہوں نے اپنے بیٹے عبید اللہ کو مہدی بتایا اور ظہور کی تیاری شروع کی لیکن ابھی مہدی محض آٹھ برس کے تھے کہ امام حسن الزکی وفات پاگئے انہوں نے اپنے بیٹے عبید اللہ پر نص امامت کے بعد وصیت کی: تم مہدی ہو! تمہیں دور دراز ملک جانا ہوگا، جہاں بڑی اذیتوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ اپنے والد ماجد کی وصیت کی تعمیل میں امام عبید اللہ المہدی نے اپنے بیٹے ابو القاسم، الشیعی کے بھائی ابو العباس اور دیگر پیروکاروں کے ہمراہ سلامیہ روانہ ہوئے جہاں وہ اپنے چچا محمد بن احمد سعید الخیر (جو محمد حبیب کے نام سے بھی مشہور ہیں) کی نگرانی میں قیام پذیر تھے۔ راستہ میں بنو عباس نے تیونس میں امام عبدے اللہ المہدی کو قید کرلیا۔ یہ جگہ بندرگاہ مہدیہ کے نام سے معروف ہے۔ اس کی اطلاع ابو عبید اللہ الشیعی کو ملی تو انہوں نے قیروان پر حملہ کرکے بنو عباس کو شکست دی اور امام مہدی کو قید سے نکالا۔ انھیں ایک گھوڑے پر سوار کرکے، اس کی باگ پکڑ کے چلے اور راہ میں کہتے جاتے تھے کہ میں جس کا غلام ہوں، وہ یہی آقا ہیں۔ یہ واقعہ ۳۰۰ھ/ ۹۱۲ء کا ہے۔ انھیں امام عبید اللہ المہدی نے حکومت مصر کی باگ ڈور سنبھالی یہی فاطمین مصر میں اولین

حکمراں ہوئے، جس سے دار السلطنت مصر کا آغاز ہوا۔ ۱۰

فاطمین مصر میں دس ائمہ ہوئے۔ امام عبید اللہ المہدی (م: ۳۲۲ھ/ ۹۳۴ء) امام القائم بالامر اللہ (م: ۳۳۴ھ/ ۹۴۵ء) امام المنصور بالامر اللہ (م: ۳۴۱ھ/ ۹۵۳ء) المعز الدین اللہ (۳۶۵ھ/ ۹۷۵ء) امام العزیز باللہ (م: ۳۸۶ھ/ ۹۹۶) امام الحکیم امر اللہ (م: ۴۱۱ھ/ ۱۰۲۱ء) امام الظاہر المعز بالامر اللہ (م: ۴۲۷ھ/ ۱۰۳۶) امام المستنصر باللہ (م: ۴۸۷ھ/ ۱۰۹۴ء) امام المستعلی باللہ (م: ۴۹۵/ ۱۱۰۱) امام الآمر بالاحکام اللہ (م: ۵۲۴ھ/ ۱۱۳۰)۔ حالانکہ فاطمین مصر کی حکومت اس کے بعد ۵۶۷ھ/ ۱۱۷۱ تک قائم رہی حتیٰ کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے حکومت کا خاتمہ کردیا۔ یہ دسوں امام بیک وقت خلیفہ اور بادشاہ تھے۔ امام المستعلی باللہ کا دور شدید انتشار و بے ربطی کا شکار رہا۔ ان کے جانشین امام الآمر بالاحکم اللہ کو شہید کردیا گیا۔ انھوں نے اپنے بیٹے ابو القاسم طیب پر نص امامت کی جو محض چار برس کے تھے۔ ان سے دوبارہ دور ستر شروع ہوتا ہے۔ یہ دلچسپ مماثلت قابل ذکر ہے کہ اثنا عشری مسلک میں امام مہدی الآخر الزماں بھی چار برس کی عمر میں غیبت اختیار کرتے ہیں۔ اور اسماعیلیوں کے امام طیب بھی چار برس کی عمر میں غیبت اختیار کرتے ہیں !

اسماعیلیوں میں اولین انشعاب امام المستنصر باللہ کی نص امامت کے مسئلہ پر ہوگیا تھا۔ ان کے دو صاحبزادے تھے، النزار اور المستعلی باللہ۔ نزار بڑے اور مستعلی چھوٹے تھے۔ امام المستنصر نے اپنے چھوٹے بیٹے المستعلی پر نص کی، انھوں نے امام الآمر پر اور انھوں نے امام ابو القاسم طیب پر جن کا ذکر مذکورہ بالا سطروں میں کیا گیا ہے۔ النزاری اس سلسلۂ امامت کو قبول نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک امام المستنصر نے نص امامت باقاعدہ النزاری پر کی تھی لیکن امام کی وفات کے وقت موصوف مصر میں موجود نہیں تھے۔ ان کے مصر وارد ہونے سے قبل الافضل نے اپنی وفاداری میں چھوٹے بیٹے مستعلی سے بیعت کرلی اور وہ خلیفہ ہوگئے ۱۱ النزاری اپنے موقف پر شدت سے قائم رہے اور انھوں نے ۵۲۴ھ/ ۱۱۳۰ میں امام الآمر

کو شہید کردیا۔ اس طرح فرقہ اسماعیلیہ دو ضمنی مسالک میں تقسیم ہوگیا: نزاری اور مستعلی۔ نزاری ایران میں فدائی اور ہندوستان میں خوجہ کہے جاتے ہیں۔ مستعلین کا مرکز یمن رہا۔ بعدہ یہ مرکز ہندوستان میں منتقل ہوگیا کیونکہ داعی یوسف بن سلیمان نے ۹۴۶ھ/ ۱۵۳۹ میں یمن ترک کرکے ہندوستان میں سدھ پور (ریاست بمبئی) میں سکونت اختیار کرلی۔ ان مستعلین کو ہندوستان میں بوہرہ، بمعنی تاجر کہا جاتا ہے۔ امام ابو القاسم طیب کی غیبت میں جانے کے بعد بھی مستعلین انھیں کی بیعت میں ہیں۔ اولاً یمن کی ملکہ حرہ نے منصب دعوت سنبھالی۔ ۱۲ ان کی وفات کے بعد صہیب ابن موسیٰ (م: ۵۲۴ھ/ ۱۱۳۰) سے داعی داود بن عجب شاہ (م: ۹۹۹ھ/ ۱۵۹۱ء) تک ۲۶ داعی ہوئے ہیں۔ ۱۳ داود بن عجب شاہ کی وفات کے بعد نص داعی میں اختلاف ہوگیا۔ مستعلین دوبارہ تقسیم ہوگئے۔ ایک حلقہ ان کے بعد سلیمان بن حسن کو داعی ماننے لگا اور دوسرا حلقہ داود برہان الدین کو۔ دونوں الگ الگ ناموں سے پہچانے جاتے ہیں۔ داودی اور سلیمانی ۱۴۔ دونوں داعیوں داود اور سلیمان کی قبریں احمد آباد میں آمنے سامنے موجود ہیں!

بوہروں کا سلیمانی مسلک یمنی روایات کا پابند ہے۔ اس کا مرکز ہنوز یمن ہے۔ اس کا نمائندہ منصوب، کہا جاتا ہے۔ ہندوستان میں ان کا صدر مقام بڑودہ ہے۔ داعی سلیمان ابن حسن اپنے دعویٰ کو قائم کرنے کے لئے ہندوستان آئے تھے۔ اکبر اعظم کے سامنے عذرداری کی لیکن فیصلہ ان کے حق میں نہ ہوا، داعی داود برہان الدین کو صحیح جانشین قرار دیا گیا۔ لیکن سلیمان بن حسن (م: ۱۰۰۵ھ/ ۱۵۹۷) کو اپنا ستائیس واں برحق داعی مطلق مانتے ہیں، موجودہ داعی مطلق علی ابن حسب اڑتالیسویں داعی مطلق ہیں جن کو سلیمانی بوہروں میں مرکزیت حاصل ہے۔ داودی مسلک کے ستائیس ویں داعی برحق داود بن ابراہیم (م: ۱۰۲۱ھ/ ۱۶۱۲) تھے۔ موجودہ داعی سیدنا برہان الدین باون ویں داعی ہیں ۱۵ ان کا قیام سورت (بمبئی) میں ہے۔ جو ڈیوڑھی کے نام سے مشہور ہے۔ ان کا ایک مدرسہ بھی ہے، جو درس سیفی کہا جاتا ہے،

جو اکاون ویں داعی سیدنا طاہر سیف الدین سے منسوب ہے۔ داوودی اسماعیلیوں کی زیادہ تر آبادی گجرات، مالوہ اور دکن میں ہے۔ ان میں ایک ضمنی مسلک، جعفریوں کی ہے، جو جعفر شیرازی سے منسوب ہے جنھوں نے ستائیس ویں داعی داود بن ابراہیم کی ماتحتی ترک کر کے اپنی الگ جماعت بنائی تھی۔ جعفری بوہرہ عموماً سنی العقیدہ ہوتے ہیں۔ اسماعیلیہ بوہروں کے دونوں مسالک سلیمانی اور داوودی کے نزدیک ائمہ کی تعداد (۲۱) اکیس ہے۔ حضرت علی سے امام جعفر صادق تک چھ امام اسماعیل سے امام حسین الزکی تک چار فاطمیین مصر دس اور امام ابو القاسم طیب ہیں۔ اسماعیلی بوہرہ انھیں سابعون میں تقسیم کرتے ہیں اول سابعون امام اسماعیل تک جنہیں ''ائمہ'' کہتے ہیں، دوئم سابعون امام المعزلدین تک جنہیں خلفاء، کہتے ہیں اور سوئم واخری سابعون امام ابو القاسم تک جنہیں 'عہد' کہتے ہیں۔ اسماعیلی بوہرہ عقائد میں ہر ایک مومن کیلئے بیعت امام لازمی ہے۔ تقریب بیعت کو 'میثاق' کہتے ہیں۔

نزاری اسماعیلیوں کے ائمہ ابتداً شدید شدائد کا شکار ہوئے۔ امامت نزار بھائی المستعلی کی امام قبول کرنے کی بناپر گرفتار کر لئے گئے اور اپنے دو بیٹوں کے ہمراہ قید میں ڈال دیے گئے۔ حتیٰ کہ ان کی قید خانہ میں وفات ہوگئی۔ صحیح تاریخ کا علم نہیں غالباً ۴۸۷۔۵۵۷ کے درمیان قید میں رہے۔ حسن بن صباح جنہیں مسلک نزاری میں باب کا درجہ حاصل ہے اور جنھوں نے مسلک باطنیہ کی بنیاد قائم کی، اپنے بعض عقائد کی بناپر انتہائی متنازع ہیں، اس کا ذکر مسلک باطنیہ کے ضمن میں ہوگا، یہاں اتنا ذکر کردینا ضروری ہے کہ وہ امام نزار کے انتہائی طرفداروں میں تھے۔ انھوں نے مستعلیین سے کسی طرح کا رشتہ نہیں رکھا۔ نزاری عقاید کی تبلیغ واشاعت میں غیر معمولی کوشش کی۔ امام نزار نے اپنے بیٹے ہادی کو حسن بن صباح کے سپرد کردیا۔ انھوں نے انتہائی امانت داری سے انھیں اپنے قلعہ الموت میں رکھا قلعہ الموت کے دیگر حکمراں بھی نزار کے طرفدار رہے۔ نزار کے صاحبزادے جوان ہوئے تو ان کی شادی کردی۔ ان کے بیٹا ہوا تو والی الموت محمد بن کیا بزرگ امید نے اپنے بیٹے سے بدل دیا

تا کہ امام نزار کے پوتے کو جان کا خطرہ نہ ہو۔ یہی بعد میں امام حسن علا ذکرہ سلام کے نام سے معروف ہوئے۔ اس طرح نزاری ائمہ میں دوسرا دور ستر امام نزار امام حسن علا ذکرہ سلام پر تمام ہوتا ہے۔ نزاری آثار زیادہ تر الموت میں ہلاکو خان کے حملہ (۶۵۴ھ/ ۱۲۵۶ء) کے بعد جلا دیے گئے البتہ روایتوں کے اعتبار سے امام نزار کے بعد ان کے بیٹے مہدی یا مہتدی امام ہوئے، ان کے بعد امام قاہر ہوئے۔ یہ تمام ائمہ مستور ہیں۔ ان کے بعد امام حسن علا ذکرہ (م: ۵۶۱ھ/ ۱۱۶۱) ان کے بعد ان کے فرزند امام محمد بن حسن (م: ۶۰۷ھ/ ۱۲۱۱) ان کے بعد ان کے فرزند امام علاء الدین محمد (م: ۶۴۵ھ/ ۱۲۴۷) ان کے بعد امام رکن الدین خرشاہ (م: ۶۴۵ھ/ ۱۲۵۶) ہوئے وہی سلسلہ الموت کے آخری امام تھے، نزاری روایات کے مطابق امام خرشاہ نے الموت پر منڈراتے خطروں کے پیش نظر اپنے سات سالہ بیٹے شمس الدین محمد کو اپنے چچا کے پاس آذر بائیجان کے پاس بھیج دیا تھا۔ انھوں نے زردوزی کی زندگی بسر کی اور پوشیدہ رکھنے کی غرض سے محمد زردوز معروف رہے۔ امام شمس الدین محمد شاہ نزاری اسماعیلیوں کے ۸۲ ویں امام تھے۔ ان کے بعد دیگر ایرانی ائمہ نزاری میں امام ابو الحسن علی شاہ (م: ۱۲۰۷ھ/ ۱۷۹۲) کے درمیان پندرہ ائمہ ہوئے۔

امام ابو الحسن علی شاہ اولوالعزم شخصیت کے حامل تھے۔ انھیں کی نسبت سے اسماعیلیہ نزاری کو آغا خان کہتے ہیں۔ موصوف قم (ایران) کے باشندہ تھے اور دور محمد کریم خان قاچار (م: ۱۱۶۳ھ/ ۱۷۵۰) میں کرمان کے حاکم تھے، حکومت سے برطرفی کے بعد شہر طلات (ایران) میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ انھوں نے اپنے فرزند خلیل اللہ پر نص امامت کی، جوان کو امام خلیل اللہ سوم (۱۲۳۲ھ/ ۱۸۱۶) بھی کہتے ہیں۔ انھوں نے شہر یزد (ایران) کو تبلیغ واشاعت کا مرکز بنایا لیکن دوسال کی مدت میں ہی ان میں اور فرقہ اثنا عشری میں شدید اختلاف ہوگیا جس میں ان کی جان بھی گئی۔ انھوں نے اپنے بیٹے حسن علی شاہ کو امامت تفویض کی۔ سلطان فتح علی شاہ قاچار (م: ۱۱۹۳ھ/ ۱۷۷۹) کو واقعہ کی اطلاع ملی تو انھوں نے امام

حسن علی شاہ (م: ۱۱۹۳ھ/ ۱۷۷۹ء) کو دلجوئی کے لئے تہران بلایا، اپنی بیٹی سرور جہاں سے عقد کردیا اور قم اور محلات کا حاکم مقرر کردیا مزید یہ کہ آغا خان کا لقب عطا کیا۔ لیکن امام حسن علی شاہ کو شاہی عنایات راس نہ آئیں۔ انھوں نے محلات چھوڑا اور کرمان چلے گئے۔ پھر لار، اسفندق، جیرفت اور میناب کے علاقوں میں سامان جنگ فراہم کرتے رہے، آخر تھک ہار کر قندھار چلے گئے۔ وہاں برطانوی حمایت حاصل ہوگئی اور سو روپے یومیہ وظیفہ بھی ملنے لگا۔ ماہ صفر (۱۲۶۲ھ/ مارچ ۱۸۴۶ء) جس کی مرضی سے اپنے بھائی اور ساتھیوں سمیت سندھ (ہندوستان) وہاں سے بمبئی آئے۔ کچھ عرصہ شہر کلکتہ میں بھی رہے لیکن وہاں مختصر قیام کے بعد بمبئی واپس آگئے اور بمبئی کو اپنا مرکز بنایا۔ وہیں وفات ہوئی اور حسن آباد بمبئی کا قبرستان میں مدفون ہوئے۔ انھیں آغا خان اول کہا جاتا ہے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند آغا علی شاہ آغا خان نزاریوں کے امام ہوئے۔ امام آغا علی شاہ (م: ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۴) کو امامت کے لئے فقط چار برسوں کا موقع ملا۔ ان کو نجف اشرف لے جاکر سپرد خاک کیا گیا۔ ان کے صاحبزادے سلطان محمد شاہ ملقب بہ آغا خان سوم آٹھ برس کی عمر میں امامت پہ فائز ہوئے۔ انھیں حکومت برطانیہ سے 'سر' کا خطاب حاصل تھا۔ سات برسوں تک مسلم لیگ کے صدر رہے۔ دولت مشترکہ کے بھی صدر رہے۔ انھیں ایرانی شہریت بھی حاصل تھی۔ شاہ ایران کی جانب سے حضرت والا کا لقب بھی۔ آغا خان سوم نے ۸۰ (اسی) سال کی عمر میں جنیوا میں انتقال کیا۔ اور مصر کے شہر اسوان کے خاندانی قبرستان میں مدفون ہیں۔ ان کی وفات کی وصیت کے مطابق ان کے پوتے اور علی خان کے بیٹے پرنس کریم خان (ولادت: ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء) اکیس سال کی عمر میں امام قرار پائے۔ آغا خان چہارم کی ولادت جنیوا میں ہوئی تھی۔ ہارورڈ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔ انھیں امامت سپرد کرنے کی رسم مشرقی افریقہ کے ملک تنزانیہ کے پایہ تخت دار السلام میں انجام پائی۔ موصوف ہی نزاری اسماعیلیوں کے امام العصر الزماں ہیں۔

اسماعیلیوں میں تبلیغ و اشاعت کے لئے ضابطہ مقرر ہے اس کے تین مدارج ہیں اولا

مکاسر، ثانیاً ، ماذون اور ثالثاً داعی ! مکاسر کا دیگر مذاہب یا مسالک سے واقف ہونا ضروری ہے۔ ان کا اپنے عقاید سے تقابل پیش کر کے قائل کرنا ہے لیکن خود براہ راست جواب نہیں دیتا، بلکہ ماذون کی جانب رجوع کر دیتا ہے، جو دلائل و براہین اور مختلف مذاہب و مسالک کے تقابلی مطالعہ سے ثابت کرتا ہے کہ اسماعیلی عقیدہ کو برتری حاصل ہے۔ اس سے سائل کے ذہن میں انتشار پیدا ہوجاتا ہے ، وہ ماذون سے رہبری کی درخواست کرتا ہے۔ ماذون اسے داعی کی طرف رجوع کرادیتا ہے، جو اسے راہ ہدایت عطا کرتا ہے۔ اسماعیلی عقائد کی دعوت کے یہی تین زینے ہنوز باقی ہیں۔ اسماعیلیوں میں تربیت کے نو مدارج ہیں۔ پہلے درجہ میں شک وشبہات اور ان کو دور کرنے کا شوق پیدا کیا جاتا ہے۔ اس درجہ میں بعض معمولی اصول بھی بتادے جاتے ہیں دوسرے درجہ میں عقیدہ امامت کی تعلیم دی جاتی ہے۔تیسرے درجہ میں بعض اہم اسماعیلی عقائد کی تعلیم دی جاتی ہے۔جن میں سات کی عدد اور اس سے متعلقات کا ذکر ہوتا ہے۔ چوتھے درجہ میں سات اولین کی تعلیم دی جاتی ہے۔ پانچویں درجہ میں عدد بارہ پر زور دیا جاتا ہے کہ حجت صامت نے بارہ داعی مقرر کیے۔ اسی درجہ میں داعی اور شیخ کی اطاعت کا درس ملتا ہے۔ چھٹے درجہ میں احکام شرعی کی عقلی اور فلسفیانہ اساس سے واقف کیا جاتا ہے۔ ساتویں درجہ میں خاص طور پر علم جفر کی تعلیم دی جاتی ہے۔ آٹھویں درجہ میں انسانی جسم ، حرکات وافعال اور روح کے باہمی تعلق سے روشناس کیا جاتا ہے۔نواں درجہ عارفین کی منزل ہے۔

اہل تشیع میں اسماعیلیہ مسالک ہنوز معنویت کے حامل ہیں، جن کے پیروؤں کی تعداد کروڑوں میں ہے۔جو دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور ان کی تبلیغ واشاعت کا ادارہ بھی مستحکم اور باعمل ہے۔ اثنا عشری مسلک کے مقابلہ میں اسماعیلیہ زیادہ فعال اور اولوالعزم رہے ہیں۔ انھوں نے بنو امیہ اور بنوعباس کے شدائد کا مضبوطی سے مقابلہ کیا اور شیعی عقاید کی ترویج میں موثر کردار ادا کیا۔ اس کشمکش اور عمل وردعمل میں ان کے درمیان نئے مسالک ابھرے، مثلاً قرامطہ، باطنیہ وغیرہ۔چونکہ انھوں نے بعد میں الگ فرقہ یا مسلک کی حیثیت حاصل کر لی، اس

لئے ان کا الگ سے ذکر کیا جائے گا۔

زیدیہ:

مسلک کا سلسلہ حضرت زید بن علی (م: ۱۲۲ھ/ ۷۴۰ء) سے شروع ہوا، جو چوتھے امام علی بن الحسین معروف بہ زین العابدین (م: ۹۵ھ/ ۷۱۳ء) صاحبزادے اور امام محمد باقر (م: ۱۱۵ھ/ ۷۳۳ء) کے بھائی تھے۔ انھوں نے اموی خلیفہ ھشام بن عبد الملک (م: ۱۲۶ھ/ ۷۴۳ء) کے خلاف خروج کیا اور شہید ہوئے۔ حضرت زید اپنے زمانہ کے نادر روزگار عالم، فقیہ اور متقی تھے۔ امام ابو حنیفہ کے استاد تھے اور اس خروج میں ان کا تعاون تھا۔ لیکن امام محمد باقرؒ کسی سیاسی خروج کے حق میں نہ تھے۔ اس لئے زید شہید سے اہل تشیع میں انشعاب ہوگیا۔ اہل تشیع امام زین العابدین کی وفات کے بعد دو مسالک میں تقسیم ہوگئے۔ ایک جو امام زین العابدین کی نص امامت کے مطابق امام محمد باقرؒ کو امام عصر واجب الاطاعت مانتے تھے۔ دوسرے، جو حکومت جور کے خلاف خروج کرنے کی بنا پر حضرت زید (م: ۱۲۶ھ/ ۷۴۴ء) کے معتقد ہوگئے تھے۔ انھوں نے حضرت زید سے امامت کا نیا سلسلہ شروع کردیا۔ حضرت زید کے بعد ان کے بیٹے یحیٰی بن زید پھر محمد نفس زکیہ پھر ابراہیم بن عبید اللہ المحضار ورپھر ادریس بن عبد اللہ بن حسن ثانی، جنھوں نے مغرب اقصیٰ (Mauritania) میں ادریسی سلطنت قائم کرنے میں کامیابی حاصل کی، جو تقریبا دوسو سال کے عرصہ (۹۸۵ھ-۲۷۶ھ/ ۷۸۹ء) تک قائم رہی۔ زوال حکومت کے بعد ادریسیوں میں انتشار آگیا لیکن اس مسلک کے پیرو ایشیا اور افریقہ کے مختلف ممالک میں نظر آتے ہیں۔ زیدیوں کی ایک شاخ طبرستان میں عرصہ دراز تک حکمراں رہی۔ شمالی یمن میں زیدیہ امام ہنوز موجود ہیں۔ بعد میں زیدیہ مسلک چار شاخوں میں تقسیم ہوگیا۔ جورسیہ، سلیمانیہ، طبرسیہ اور صالحیہ۔ یہ شاخیں نص امامت میں اختلاف کی بنا پر وجود میں آئیں۔

مسلک زیدیہ کو اہل تشیع میں شمار کرنے کا سبب یہ ہوسکتا ہے کہ ان میں امامت کا

سلسلہ امام زین العابدینؑ تک دیگر اہل تشیع سے مماثل ہے اور ان کی امامت بھی اہل بیت میں ہے۔ ورنہ عقائد و افکار کے معیار پر مسلک زیدیہ اہل تشیع سے یکسر مختلف عقاید کے حامل ہیں بلکہ اہل تشیع کے مقابلہ میں ان کے عقاید وافکار اہل تسنن سے زیادہ ہم آہنگ ہیں۔ اہل تشیع اور اہل تسنن کے درمیان کلیدی وما بہ الامتیاز عقیدہ نص امامت کا مسئلہ ہے۔ اہل تشیع امامت کو رسالت کی طرح منصوص من اللہ مانتے ہیں، جبکہ اہل تسنن امامت (خلافت) کو جمہور کے فیصلہ کا پابند قرار دیتے ہیں۔ زیدیہ بھی امامت کو جمہور کے فیصلہ کا پابند مانتے ہیں البتہ اہل تسنن سے اتنا اختلاف کرتے ہیں کہ اہل تسنن خلیفہ کے لئے قریشی ہونا کافی سمجھتے ہیں جبکہ زیدیہ امام کے لئے بنی فاطمہ کی شرط عاید کرتے ہیں۔ دونوں کے عقاید میں امام کا افضل ہونا لازمی شرط نہیں ہے، بلکہ کوئی مفضول شخص افضل کی موجودگی میں امام ہوسکتا ہے۔ اسی دلیل کی بنیاد پر حضرت علی کو دیگر خلفائے راشدین سے افضل ماننے کے باوجود باقی تینوں خلفائے راشدین کی خلافت کو حق مانتے ہیں اور اسی دلیل کے مطابق امام محمد باقرؑ کی فضیلت قبول کرتے ہوئے حضرت زید شہید کو امام مانتے ہیں۔ زیدیوں کا عقیدہ ہے کہ حالانکہ امام علی ابن ابی طالبؑ صحابہ کرام میں افضل ترین تھے، لیکن بعد رسول عرب قبائل کی کشمکش پر قابو پانے کے لئے ایک سن رسیدہ صحابی کی ضرورت تھی، جو اپنی شخصیت کے وقار سے اختلاف سے اختلافات پر قابو رکھتے ہوئے مفاد اسلامی کا تحفظ کرسکے۔ اسی دلیل سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی خلافتوں کو حق قرار دیتے تھے البتہ حضرت عثمان کی بنی امیہ نوازی کی بنا پر سکوت کرتے تھے۔ ان کے نزدیک امامت کے لئے زور بازو کے ذریعہ تسلط حاصل کرنا لازمی شرط ہے، جو دیگر تمام شرائط کو موخر کردیتی ہے۔ فقہ کا معاملہ میں بھی زیدیہ فقہ جعفری کی بجائے فقہ حنفی کے پابند ہوئے۔ اس کا سبب بھی سیاسی ہے کیونکہ امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ نے زید خروج کی تائید کرنے سے انکار کیا، امام حنیفہ نے خروج کی حمایت کی۔ اس طرح زیدیہ کے اہل تشیع کی بجائے اہل تسنن میں شامل ہوجانے کی بنا پر ان کو روافض کہا گیا۔ رافضی کی

جمع معنی Party of Deserters ہے۔ ۱۷ے اس پس منظر سے ناواقف سہواً تمام اہل تشیع کو رافضی کہہ دیتے ہیں، حالانکہ یہ طنزیہ لقب زیدیوں کیلئے مخصوص ہے، جنہوں نے اہل تشیع کو چھوڑ کر اہل تسنن کا ساتھ اختیار کیا۔ دوسرا خیال ہے کہ یہ کوفیوں کے لئے مخصوص ہے، جنہوں نے حضرت زید کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ ۱۸ے

ھاشمیہ یا کیسانیہ:

یہ مسلک اس طرح وجود میں آیا کہ سید الشہداء امام حسینؑ (م: ۶۱ھ ۶۸۰ء) نے مدینہ منورہ سے ہجرت کے وقت اپنے برادر صلبی حضرت محمد حنفیہ کو اپنا نائب مناب مقرر کیا تھا۔ محمد حنفیہ حضرت علیؑ کی دوسری بیوی خولہ کے بطن سے تھے، جو قبیلہ حنفیہ سے متعلق تھیں۔ اسی بنا پر محمد کا لقب حنفیہ ہوگیا۔ ابن خلقان کا بیان ہے کہ خولہ اصلاً قبیلہ حنیفہ سے نہ تھیں، بلکہ ایک سیاہ فام سندھی خاتون تھیں جو بنی حنیفہ میں سے کسی شخص کی ملازمہ تھیں۔ اپنے ننھیالی نسب سے قطع نظر حضرت محمد حنفیہ جلیل القدر شخصیت کے حامل تھے۔ اس لیے واقعہ شہادت کے بعد شیعان اہلبیت نے ان کو امام تسلیم کرلیا لیکن امام علی ابن الحسینؑ قید سے رہائی کے بعد مدینہ واپس آئے تو حضرت محمد حنفیہ نے اس حقیقت کی تحقیق کے بعد کہ امام حسینؑ نے امام علیؑ ابن الحسین پر نص امامت کی تھی، اپنے حق سے دست برداری اختیار کرلی، امام علیؑ ابن الحسینؑ کی بیعت کرلی اور پھر کبھی دعوئی امامت نہیں کیا، لیکن انکی وفات کے بعد بعض معتقدین نے ان کے فرزند ابو ہاشم عبد اللہ کو پانچواں امام مان لیا۔ ۱۹ے انھیں کی نسبت سے یہ مسلک ہاشمیہ کہلایا اور چونکہ اس معاملہ میں حضرت علیؑ کے آزاد کردہ غلام کیسان پیش پیش تھے، جن کی کوششوں سے مہم سر ہوئی تھی، اس بنا پر اس مسلک کو کیسانیہ بھی کہا جاتا ہے۔ ابو ہاشم عبد اللہ کو ۷۱۵ عیسوی میں اموی خلیفہ ہشام بن عبد الملک نے زہر دے کر ہلاک کردیا۔ چونکہ ان کے اولاد نرینہ نہیں تھی، اس لیے انھوں نے اپنی وفات سے قبل محمد بن عبد اللہ بن عباس پر نص امامت کردی۔ انھیں محمد کے والد حضرت عبد اللہ بن عباس تھے جو رسول اکرمؐ کے چچا حضرت

عباس بن عبد المطلب کے فرزند تھے اور علم وفضل اور زہد وتقویٰ کی بنا پر ممتاز تھے۔ انہیں حضرت علیؓ کا شاگرد رشید ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ ان سے لاتعداد حدیثیں مروی ہیں۔ یہ خاندانی پس منظر امام محمد بن عبد اللہ کے لئے زبردست معاون ثابت ہوا۔ موصوف خود بھی بڑے مدبر اور زمانہ شناس تھے۔ انھوں نے اپنے پیروؤں اور ہمدردوں میں اضافہ کیا اور شہر کوفہ (عراق) کو اپنی تبلیغ واشاعت کا مرکز بنایا، جو حضرت علیؓ کا دار الخلافہ رہ چکا تھا اور جہاں شیعان علیؓ اکثریت میں آباد تھے۔ ۱۱۵ھ/ ۷۳۳ء میں امام محمد بن عبد اللہ بن عباس کا انتقال ہوگیا ان کے تین بیٹے تھے ابراہیم عبد اللہ اور جعفر، ابراہیم امام ہوئے اور سرگرمی سے اپنے باپ کے ادھورے مشن کو پورا کرنے میں لگ گئے لیکن انھیں اموی خلیفہ مروان ثانی (م: ۷۴۹ء) نے قتل کرادیا۔ اس کے بعد جانشینی دوسرے بھائی عبد اللہ کو ملی، جنھوں نے ۷۴۹ عیسوی میں نہر زاب پر ابو مسلم خراسانی کی امداد سے جنگ کرکے بنوامیہ کا خاتمہ کردیا اور دولت عباسیہ کے اولین خلیفہ ابو العباس عبد اللہ السفاح کے نام ۷۵۰ء سے عظیم الشان حکمرانی کا دور شروع کیا، جو تقریبا پانچ سو سال تک قائم رہا۔

بلاشبہ مسلک ہاشمیہ کی ابتداء بعض شیعان علیؓ نے کی تھی جنھوں نے خون حسینؓ کے انتقام کے نام پر مسلمانوں کے جذبات بنی امیہ کے خلاف برانگیختہ کیے، جس میں انہیں کامیابی حاصل ہوئی اور ایک مستحکم حکومت تقریباً پانچ سو سال تک قائم رہی، لیکن حکومت پر قبضہ ہونے کے بعد انہوں نے شیعان اہل بیت کو چن چن کر قتل کیا، ان پر ہر طرح کے شدائد ومظالم کئے حتیٰ کہ ائمہ اہل بیت میں چھ اماموں (امام جعفر صادقؑ، امام محمد باقرؑ، امام موسیٰ کاظمؑ، امام علی رضا، امام محمد تقیؑ، امام نقیؑ اور امام عسکریؑ) کو قید خانوں میں رکھا اور زہر دغا سے شہید کیا اور بارہویں امام الہدیٰؑ کی غیبت کا سبب بنے۔ دشمنی اہل بیت میں ان ہاشمی شیعوں کا پلہ بنی امیہ سے کہیں بڑھ کر رہا۔ قیام خلافت کے بعد مسلک ہاشمیہ اپنے کردار وعمل میں کسی طرح فرقہ اہل تشیع میں نہیں رہا بلکہ ان کو مٹا دینے کے درپے رہا۔ اس کے زیر اثر اہل عراق جو اپنی

شیعیت میں مصروف تھے، عباسی حکومت میں شیعیت سے بے نیاز ہوگئے۔ کوفی فقہاء میں ابوحنیفہ اور سفیان ثوری (م: ۱۶۲ھ / ۷۷۸ء) جو ابتداً شیعی رجحان کے حامل تھے، عباسی دور حکومت میں متبادل فقہی دبستانوں کے بانی ہوئے۔ حجاز عباسیوں سے قبل اہل بیت کا مرکز تھا، شدید بحران کا شکار ہوا۔ عباسیوں نے زیدیوں کو بھی اپنے ساتھ سمیٹا اور رفتہ رفتہ دونوں اہل تسنن کے سوادِ اعظم میں شامل ہوگئے۔

غلاۃ:

غلاۃ کے لغوی معنی اہل مبالغہ ہوتے ہیں۔[۲۰] یہ اصطلاحاً اہل تشیع کے ایک مسلک کا نام پڑ گیا جس کو حضرت علیؓ اور اہل بیتؓ سے متعلق اپنے عقیدوں میں انتہا پسند کہا گیا۔ چونکہ مسلک اسماعیلیہ کی بعض شاخوں مثلاً قرامطہ، باطنیہ وغیرہ پر مسلح انتہا پسندی کا الزام تھا، غلاۃ اپنے عقاید میں انتہا پسند تھے، اس لئے ان کو مسلک اسماعیلیہ کے خانے میں ڈال دیا گیا۔ حالانکہ حقیقی صورت حال مختلف تھی۔ غلاۃ کے انتہا پسندانہ عقاید کا سراغ اسلام سے باہر ملتا ہے، جو عیسائیوں کے بدعتی فرقہ فلاسفہ (Gnosties) سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔ غلاۃ کا اسلام بڑی حد تک حضرت علیؓ اور کسی حد تک حضرت محمدؐ کو حضرت عیسیٰؑ کی شکل میں دیکھنے پر مبنی ہے۔[۲۱] اس نے بعد کے ادوار اور علاقائی نسلی اور تنظیمی ادارہ کی حیثیت حاصل کرلی۔ غلاۃ دوسری صدی عیسوی میں روم و یونان میں مذہبی فلسفہ قرار پاچکا تھا، جس کے ابتدائی سراغ ایرانی ثنویت میں تلاش کیے گئے ہیں۔ بعض تجزیوں میں اس کو مصری حوربی اور بابلی تہذیبوں سے وابستہ کیا گیا ہے۔[۲۲]

'غلاۃ' کا عقیدہ کا نور صوفیہ کے تصور حقیقت نور سے ہم آہنگ ہے، جس کو فلسفہ الاشراق کہا جاتا ہے۔ اس تصور میں اساسی نکتہ قرآن مجید کی معروف آیات: اللہ نور السمٰوٰت والارض (اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے: النور ۲۴ / ۳۵) اور ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نورا (اور جس کے لئے خدا نور نہ قرار دے، اس کے لئے نور نہیں

ہے۔: النور ۲۴/۴۰) میں مضمر ہے۔ غلاۃ ان آیات کو معروف حدیث نور انا وعلی من نور واحد (خداوند عالم نے ہم کو اور علی کو ایک ہی نور سے پیدا کیا: مودۃ القربیٰ ص ۷۱) کی روشنی میں افراط وتفریط سے تاویل کرتے، جو اہل تشیع کے مسلمہ عقاید سے ہم آہنگ نہ تھا۔ حتیٰ کہ غلاۃ کی ایک شاخ نصیری حضرت علی کو خدا قرار دیتی ہے۔ جب علی کے ہاتھ اللہ کے ہاتھ (ید اللہ) زبان اللہ کی زبان (لسان اللہ) آنکھ اللہ کی آنکھ (عین اللہ) ان کا نفس اللہ کا نفس (نفس اللہ) وغیرہ ہیں، قسیم النار والجنہ (دوزخ وجنت تقسیم کرنے والا)، مظہر العجائب (عجائب کے مظہر) اور سب سے بڑھ کر علی نام الاعلیٰ سے ماخوذ ہے۔ پھر ان کے اللہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا۔ اس مسلک کا بانی محمد بن نصیر فہری نمیری تھا، جو امام حسن عسکریؒ کے زمانہ (۲۳۲۔۱۵۷ھ/ ۷۷۳ء۔ ۸۴۶ء) میں تھا۔ قدیم میں اس ملک کو نصیری یا نمیری کہتے تھے، اب انہیں علوی کہتے ہیں۔ اس مسلک کو حسین ابن ہمدان الخاصبی (۳۵۸ھ یا ۳۴۶ھ/ ۹۵۷ء، یا ۹۶۸ء) نے خصوصی مقبولیت عطا کی۔ آل بویہ کی سیفی حکمرانی ختم ہونے کے بعد صدیوں تک صلیبی جنگوں، مملوکوں اور عثمانیوں کے ہاتھوں دارورسن سے گذرتے رہتے لیکن اس مسلک کے افراد فنا نہ کیے جا سکے۔ عصر حاضر میں انہیں شام میں صدر حافظ الاسد کی رہنمائی میں سیاسی استقامت حاصل ہوئی۔ ان کی لاکھوں کی آبادی شام میں لتاجیہ اور ترکی میں انتوکیہ کے علاقوں میں اپنی انفرادیت کے ساتھ متحرک وفعال ہے۔

غلاۃ کا سلسلہ دور امام محمد باقرؑ (۱۱۵۔۸۵ھ/ ۷۳۳ء۔ ۶۷۷ء) سے ملتا ہے، جن میں مغیریہ، منصوریہ اور خطابیہ زیادہ مشہور ہیں۔ مسلک مغیریہ کا بانی مغیرہ ابن سعید العجلی (م: ۱۲۰ھ/ ۷۳۷ء) عقیدہ نور پر تھا۔ اس نے امام محمد باقرؑ کے بعد امامت کا دعویٰ کیا۔ اس کا ہم نوا بیان ابن صمعان تھا۔ مغیرہ کی موت کے بعد اس کے پیرو نفس زکیہ کے زیدیہ مسلک میں چلے گئے۔ منصوریہ کا بانی ابو المنصور العجلی تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت عیسیٰ کو خلق کیا۔ ان کے بعد حضرت علیؑ کو خلق کیا۔ یعنی حضرت علیؑ حضرت عیسیٰؑ کے

بعد بہترین نفوس میں ہیں۔ اس کے بعد رہنمائی اس کے بیٹے حسین نے سنبھالی۔ اس کے بعد یہ لوگ بھی مسلک زیدیہ سے منسلک ہوگئے۔ غلاۃ کا ایک اہم ترین مسلک الخطابیہ ہے، جس کے بانی ابو الخطاب محمد بن ابو زینب الاسدی الاجدہ (م: ۷۵۵ء) ہیں۔ ان کے پیرو مانتے ہیں کہ ان کی وفات نہیں ہوئی بلکہ عالم غیب میں ہیں۔ حالانکہ اسے کافر قرار دے کر اس کے ستر پیروؤں کے ہمراہ کوفہ میں ۱۳۸ھ میں قتل کیا گیا تھا۔۲۳ ان سے کئی شاخیں ابھریں۔ بازغیہ، معموریہ، جلالیہ، غربیہ وغیرہ ابو الخطاب کے بیٹے میمون القداح کو اسماعیلی عقائد کے مرتب کی حیثیت سے بھی شہرت حاصل ہے۔ ان غلاۃ کے غیاب(Occultation) تفویض (Delegation) بداء (Alteration) رجاء (Retum) حلول (Descent of the Sprit of God into man) اور تناسخ (Transmigration of Souls) کی ایسی ایسی تاویلات پیش کیں، جو اہل تشیع کے کسی مسلک کے لئے قابل قبول نہیں ہوسکتیں،

غلاۃ کے نزدیک محمدؐ علیؑ فاطمہ حسن اور حسین جن کو اہل تشیع پنجتن کہتے ہیں، مشترکہ طور پر منصب الٰہیت پر فائز ہیں۔ ان میں کسی کو موت نہیں آسکتی بلکہ انھوں نے پردہ غیب اختیار کیا۔ غلاۃ کے بیشتر مسالک معدوم ہوچکے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حوالے:

۱۔ ابن الاثیر ۔ ج ص ۲۲

۲۔ طبری ج ۲ ص ۱۱۷۷

۳۔ Lewis, Barnald: orogin of islamailsm PP 38-40 Cambridge-1940

۴۔ زاہد علی: تاریخ فاطمیین مصر ص ۹ (حیدر آباد)

۵۔ **Kalami Pir: A Treatise on Ismail Doctorine pp 17-18 Bbombay 1935**

۶۔ نوبختی: فرق الشیعہ ص ۵۸۔۵۷

۷۔ De Goeje, M.J: Memories pp 63 (Leiden 1886)

Syed Ameer Ali: History of Asracesp. 592 (New Delhi 1998)۔۸

O'Leary de Lasy : Fatimid Khalifate IV pp 51.153(London 1923)۔۹

Fyzea, Asaf AA, A Chronological List of Lamams and Dairs ۔۱۰
of Mustalian Ismailis pp 8.16(1934)

Husain Al Hamadani: A Compendium of Ismaili Esoterics ۔۱۱
pp 21020(1937)

۱۲۔خلافت و ملوکیت ص ۲۴۶-۵۲

۱۳۔الفرائد الدریہ ص ۲۶۲

Syed Ameer Ali: A Short History of the Saraeans p 156 ۔۱۴
(new Delhi 1998

۱۵۔ابن خلقان: (tr.De Slane) ص ۴۷۵

۱۶۔الفرائد الدریہ ص ۵۲۳

The Spirit of Islam p 343۔۱۷

Birtannica Micropaedia Vol. V p 315(1973)۔۱۸

John Norman Hollister The Shia;s of India p,202 (New ۔۱۹
Delhi,1979)

۲۰۔تاریخ کامل ج ۲ ص ۲۸

The Spirit of Islam p 314۔۲۱

۲۲۔تاریخ کامل ج ۲ ص ۲۸

The Spirit of Islam P 314۔۲۳

☆☆☆☆☆☆